تصدیق
جلد ۰۱ شمارہ ۰۵، ۲۰۲۳

Article

MOHSIN NAQVI SPECTRUM OF POETRY

محسن نقوی کا طیفِ سخن

Rahat Nasreen*[1],Muhammad Hafeez[2],Shamaila Mushtaq Ahmad[3]

[1] Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
[2] Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad
[3] Ph.D. Scholar, Department of Urdu, Govt. College University, Faisalabad.
*Correspondence: mrsnaeem828@gmail.com

[1] **راحت نسرین، [2] محمد حفیظ، [3] شمائلہ مشتاق احمد**

[1] پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد، [2] پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

[3] پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

ABSTRACT: Urdu poetry has an extensive history of Elegiac literature .Mohsin Naqvi is a great name in Urdu poetry. Along with the diversity of topics in his poetry, a beautiful style and softness of tone is also prominent. He tried all genres of poetry but Elegy is his speciality. He is considered one of the great poets of elegy. In his elegies, the element of love and devotion to the Prophet(PBUH) and his family is prominent. The effects of the elegy on his all genres of poetry are significant. Mohsin,s entire poetry is embded in the elegiac environment,as his system of symbolism, metaphorical representation and similes point out towards new meaningness associated with Elegies.

In this article, an attempt has been made to shed light on the same poetic influences in Mohsin Naqvi's poetry

eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210
DOI:https://doi.org/10.56276/tasdiq.v5i01.163
Received:06-07-2023
Accepted:12-07-2023
Online:13-07-2023

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

KEYWORDS: Diversity, Elegy, Geners, Metaphorical, Influences, meaningless, Smilies

مرثیہ کی عمومی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ مرثیہ اس صنفِ سخن کو کہا جاتا ہے جس میں مرنے والے کی شخصی خوبیوں اور اوصاف کو اجاگر کیا جائے مرثیہ دنیا کی تمام زبانوں میں لکھا گیا ہے اردو مرثیہ کی تاریخ بہت پرانی ہے اولین شعرا کے ہاں بھی مرثیہ کے نمونے کثرت سے مِل جاتے ہیں۔ اردو میں مرثیہ اس مسلسل نظم کو کہا جاتا ہے جو واقعاتِ کربلا اور شہدائے کربلا کے کردار و افکار پر کہی گئی ہو۔

سید عابد علی عابد مرثیہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "ادبی اصطلاح کے طور پر مرثیہ اس صنفِ شعر کو کہتے ہیں جس میں سید الشہداء حضرت امام حسینؑ یا ان کے رفیقوں کے سفر کربلا، مصائب، شجاعت اور شہادت کا بیان کیا جائے۔ اِس ضمن میں کئی اور چیزیں بھی آجاتی ہیں لیکن اصلاً اُردو مرثیے کی بنیاد انہی باتوں پر قائم ہے۔"[۱]

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مرثیہ کا موضوع نواسۂ رسول ﷺ حضرت امام حسینؑ کی شہادت، یزید اور حضرت امام حسینؑ کے درمیان معرکۂ حق و باطل کا بیان ہے گو کہ اس معرکے میں بظاہر فتح یزید کے حصے میں آئی مگر تاریخ گواہ ہے کہ دائمی و ابدی فتح حق کے علمبردار امامِ عالی مقام حضرت حسینؑ کو نصیب ہوئی اور اس فتح کی بدولت ایک بار پھر اسلام کی جڑوں کی آبیاری ہوئی اور اس کی زرخیزی میں اضافہ ہوا۔ بقول مولانا محمد علی جوہر:

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد شعری اصناف میں مرثیہ خواہ کسی ہیئت میں ہو مسلسل نظم کی حیثیت رکھتا ہے اور متعدد اصنافِ سخن مثلاً مثنوی، قصیدہ، غزل، رباعی، قطعہ، داستان اور منظوم ڈرامے کی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ اردو کی دیگر اصناف کی طرح مرثیہ کا آغاز بھی دکن سے ہوا وہاں اردو مرثیہ گوئی کے قدیم ترین نمونے ملتے ہیں۔ شاہانِ گول کنڈہ و بیجاپور نے خود بھی مراثی لکھے اور اس سلسلے میں شعرا کو درباری سرپرستی بھی حاصل رہی۔

دکنی دور کے مرثیہ نگاروں میں وجہی، نصرتی، نوری، ہاشمی، غواصی، رُوحی، ندیم اور ہاشم علی کے نام نمایاں ہیں۔ قدیم تحقیق کے مطابق اُردو کا پہلا مرثیہ گو شاعر قطبی قطب شاہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ مُلّا وجہی کا ہمعصر تھا۔ دکنی دور میں ابتدائی مراثی مختلف ہیئتوں میں ملتے ہیں کیوں کہ اس وقت مرثیہ کے لیے ابھی کوئی خاص ہیئت مقرر نہ تھی ولی نے بھی مثنوی کی ہیئت میں واقعۂ کربلا کو بیان کیا ہے جسے ہم مثنوی کی ہیئت میں مرثیہ کہہ سکتے ہیں۔ شمالی ہند میں مرثیہ کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مرثیہ کی ابتداء محمد شاہی دور میں ہوئی۔
ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں:

> "شمالی ہند میں شاعری اور مرثیہ گوئی دونوں باقاعدہ طور پر محمد شاہ کے عہد سے شروع ہوئی۔ اس سے پہلے عزائیہ جلسوں میں جو مرثیے پڑھے جاتے تھے وہ عموماً فارسی، دکنی یا ملتان زبان میں ہوتے تھے، شمالی ہند کے بعض شاعر اپنی مقامی زبان میں بھی نوحے، سلام اور مرثیے کہہ لیا کرتے تھے۔"(۲)

خدائے سخن میر تقی میر نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں کئی مرثیہ گو شعرا کے نام تحریر کیے ہیں میرؔ نے خود بھی مرثیے لکھے مگر ان مراثی میں کوئی خاص حدت اور اثر آفرینی نظر نہیں آتی البتہ سودا کے مرثیہ میں ہیئتی تبدیلی نمایاں ہے سودا کے زمانے تک مرثیہ عام طور پر چومصرعہ ہوا کرتے تھے سودا نے سب سے پہلا مرثیہ مسدس کی ہیئت میں لکھا۔ جہاں تک مرثیہ میں میدانِ کارزار کے تفصیلی بیان کا ذکر ہے اور جدید تشبیہات و استعارات کا استعمال ہے اس میں پیش رو میر ضمیر ہیں۔ میر ضمیر کے عہد تک مرثیہ کے ضروری اجزاء کے طور پر چہرہ، گریز، رخصت، آمد، سراپا۔ شہادت اور بین مرثیہ میں داخل ہو چکے تھے گویا مرثیے کا انداز بدلنے میں میر ضمیر کو اولیت حاصل ہے میر ضمیر کے بعد کئی مرثیہ گو شعرا کا ذکر ملتا ہے۔ میر خلیق نے مرثیہ میں نئے مضامین پیش کیے اور ہیئت میں بھی نئے تجربات کیے۔ جس کی بدولت اردو مرثیے کو شاعری میں معتبر صنف گردانا جانے لگا۔

مرزا دبیر اور میر انیس نے مرثیہ کے میدان میں رہ جانے والی تشنگی کو خوب سیر اب کیا انیس و دبیر نے شاعرانہ حسن کے ساتھ ساتھ واقعاتِ کربلا کے بیان کو اس قدر خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ مرثیہ میں سمویا کہ مرثیہ کو اوجِ کمال تک پہنچا دیا۔ ان کے مرثیے جہاں فصاحت و بلاغت، استعاروں، صنائع بدائع اور تمثیلات سے مزین ہیں وہاں ان کا اصل جوہر کردار نگاری، منظر کشی اور جذباتِ انسانی کی مرقع کشی ہے جس میں ان کی نبی ﷺ اور آل نبی ﷺ سے عقیدت چھلکتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ ذخیرۂ الفاظ کے استعمال میں اُردو ادب کے چند نمایاں ناموں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ واقعاتِ کربلا کو بیان کرتے وقت اُن کا قلم کسی منہ زور گھوڑے کی طرح سرپٹ دوڑتا ہے اور باقی سب کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے اور یہی اُن کی قادرالکلامی کی دلیل ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے موازنہ انیس و دبیر کی تمہید میں لکھا ہے کہ

> "مدت سے میرا ارادہ تھا کہ کسی ممتاز شاعر کے کلام پر تبصرہ کروں جس سے اندازہ ہو سکے کہ اُردو شاعری باوجود کم مائگی زبان کیا پایہ رکھتی ہے۔ اس کے لیے میر اُنیس سے زیادہ کوئی شخص انتخاب کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا کیونکہ اُن کے کلام میں شاعری کے جس قدر اصناف پائے جاتے ہیں اور کیسی کے کلام میں نہیں پائے جاتے۔"[۳]

میرزا دبیر کا نام میر انیس کے نام کے ساتھ جڑنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کا عہد ایک تھا۔ دوسرے میر انیس کی طرح دبیر کے ہاں بھی صنائع بدائع تشبیہات و استعارات اور پُر شکوہ الفاظ کا ایک عمیق سمندر ٹھاٹھیں مارتا محسوس ہوتا ہے۔ کلیم الدین احمد لکھتے ہیں کہ:

> "دبیر کی زبان میں شان و شوکت زیادہ ہے وہ الفاظ اور استعاروں کی تلاش میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ بندشوں اور ترکیبوں میں قوتِ ایجاد سے کام لیتے ہیں۔"[۴]

مرثیہ اُردو میں ایک باقاعدہ صنف کے طور پر سترہویں صدی کے اُفق پر طلوع ہوا مرثیہ کے آغاز سے لے کر مرزا دبیر اور میر انیس پھر محسن نقوی تک پہنچتے پہنچتے اردو مرثیہ نگاری میں فکری و فنی سطح پر بے شمار تبدیلیاں آئیں جنہوں نے اردو مرثیہ کو بلاشبہ نئے

موضوعاتی وفنی امکانات سے معمور کیا۔ مرثیہ کے مختصر پس منظری مطالعہ کے بعد جب ہم کلامِ محسن نقوی کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کرتے ہیں تو وہ ہمیں کلاسیکی وجدید روایات کا سنگم معلوم ہوتا ہے۔ ان کی ہیئت کلاسیکی ہے جب کہ اسلوب میں جدت طرازی نمایاں ہے۔

محسن نقوی شاعر ۵ مئی ۱۹۴۷ء کو ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے ان کی شاعری کا محور معاشرہ، انسانی نفسیات، واقعۂ کربلا اور معرکۂ حق وباطل ہے محسن نے اپنی شاعری میں روایتی محبوب اور ہجر وفراق کے نشیب وفراز بیان کرنے کے علاوہ سماجی زیادتی، معاشرتی بے چینی، جبر واستحصال اور عالمِ انسانیت کے امن کو بھی موضوعِ سخن بنایا انھوں نے عامیانہ موضوعات کو اپنی تخلیقی جہت سے نئے زاویے عطا کیے ان کے ہاں زندگی کے عمومی رویے خصوصی افکار ونظریات کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ ان کی اس تخلیقی ہنر مندی اور مشاقی نے موضوعات کو بڑی وسعت عطا کی اُن کے پیرایۂ اظہار کی بدولت خیال کے ہر پہلو پر حقیقت کا گمان ہونے لگتا ہے۔

محسؔن کی شاعری کا ایک اہم حصہ آلِ محمد ﷺ واہلِ بیت سے علاقہ رکھتا ہے اور اہلِ بیت سے ان کی محبت وعقیدت کی فضا ان کی مذہبی شاعری کے علاوہ ان کی عمومی شاعری میں بھی نمایاں ہے اور یہ حُزنیہ فضا ان کی نظم ونثر دونوں پر چھائی ہوئی محسوس ہوتی ہے اسی بدولت ان کو شاعرِ اہلِ بیت بھی کہا گیا ہے۔ محسن نقوی نظم وغزل کے علاوہ مرثیہ اور قطعہ نگاری میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے ان کی تصانیف میں بندِ قبا، برگِ صحرا، ریزہ حرف، موجِ ادراک، ردائے خواب، عذابِ دید، طلوعِ اشک، رختِ شب، خیمۂ جاں، فراتِ فکر اور حق ایلیا شامل ہیں۔

محسن نقوی جس نے "برگِ صحرا" سے اپنی شناخت کروائی اور حق ایلیا کے شائع ہونے تک اس کی شاعری کی مذہبی حیثیت مسلّم ہو چکی تھی۔ محسن نقوی کی غزل میں جو تازہ پن اور نئی معنویت نظر آتی ہے اس میں کہیں نہ کہیں کربلا سے جڑے استعارے اور علائم و رموز کا عمل دخل ہے ان کے ہاں موضوع کے برتاؤ میں کربلا سے جڑے ہوئے علائم تشکیلاتی انسلاکات قائم کرتے ہیں ان کی غزلوں کے چند اشعار دیکھیے جن میں انہوں نے علائم ورموز کو کسی حد تک کربلا اور اس کے بعد کے واقعات کی سطح پر معنوی انسلاکات قائم کرنے کے لیے استعمال کیا ہے لیکن یہ معنوی انسلاکات بجائے منظر کشی اور سانحہ کربلا کی طرف راہنمائی کرنے کے شاعر کی ذات کا حوالہ بن جاتے ہیں۔

مرے قبیلۂ سرکش کا تاجور ہے وہ شخص
بڑھے جو دار کی جانب پیمبروں کی طرح
نہ گفتہ لفظ مرے دل میں ڈھونڈتے ہیں اماں
فشارِ جنگ میں کٹتے ہوئے سروں کی طرح(۵)
اب کوئی نہیں بہرِ تماشا سرِ مقتل

جُز قاتلِ جاں ، وہ بھی ہے تنہا سر مقتل
جس نے صفِ یاراں سے کئی تیر چلائے
پہچان لیا میں نے وہ چہرہ سرِ مقتل(۶)

میں خود ہی چھپا تھا کفِ قاتل کی شکن میں
مقتول کی ٹوٹی ہوئی تلوار بھی میں تھا
چھینٹے ہیں جہاں اب مرے معصوم لہو کے
اس فرقِ فلک ناز کی دستار بھی میں تھا(۷)

محسن نقوی غزل کے ساتھ ساتھ مرثیہ نگاری میں بھی مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔اُن کا مرثیہ تاریخی صداقت اور ادبی اسلوب کے مابین متوازن دکھائی دیتا ہے۔وہ اپنی شاعری میں جابجا لاشعوری طور پر واقعاتِ کربلا کے استعاروں کو بروئے کار لائے ہیں محسن نقوی کے تمام کلام میں علائم، تشبیہات اور استعارات کا جو نظام گردش کرتا نظر آتا ہے اس پر جہاں مرثیہ کے قوی اثرات ہیں وہیں اس پر مذہبی تعلیمات، قرآنی تلمیحات اور احادیث کا گہرا رنگ بھی نمایاں نظر آتا ہے۔بالخصوص مناقب میں انھوں نے اپنی اجتہادی فکر کے سہارے نئے نئے الفاظ وتراکیب تراشے ہیں اور تشبیہات واستعارات کا جو بلیغ نظام قائم کیا ہے وہ روایتی نہیں بلکہ مجتہدانہ علم وبصیرت کا مظہر بن گیا ہے اس منقبت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں جس میں ”بحرینِ تقدس، عارض کا والفجر سے تشابہ، گیسوئے حسین کا والیل سے تشابہ، ابرو قوسینِ شب قدر کا استعارہ ہوتا، گردن کا اوجِ ثریا ہونا، پلکوں کا الفاظِ لوح وقلم ہونا، باتوں کا طوبیٰ کی چٹکتی ہوئی کلیوں سے تشابہ اور نقشِ قدمِ حسینؓ کا بوسہ گہِ رفِ جبریل ہونا ایک ایسا مبروک منظر نامہ تشکیل دیتے ہیں جو آنکھوں کو خیرہ اور قلب کو سکینت عطا کرتا ہے:

چہرہ ہے کہ انوارِ دو عالم کا صحیفہ
آنکھیں ہیں کہ بحرینِ تقدس کے نگیں ہیں
ماتھا ہے کہ وحدت کی تجلی کا ورق ہے
عارض ہیں کہ ”والفجر“ کی آیت کے امیں ہیں
گیسو ہیں کہ ”واللیل“ کے بکھرے ہوئے سائے
ابرو ہیں کہ قوسینِ شبِ قدر کھلے ہیں
گردن ہے کہ بَر فرقِ زمیں اوجِ ثریا

لب، صورتِ یا قوت، شعاعوں میں ڈھلے ہیں
قد ہے کہ نبوت کے خدوخال کا معیار
بازو ہیں کہ توحید کی عظمت کے علم ہیں
سینہ ہے کہ رمزِ دل ہستی کا خزینہ
پلکیں ہیں کہ الفاظ رُخِ لوح و قلم ہیں
باتیں ہیں کہ طوبیٰ کی چٹکی ہوئی کلیاں
لہجہ ہے کہ یزداں کی زبان بول رہی ہے
خطبے ہیں کہ ساون کے اُمنڈتے ہوئے بادل
قرأت ہے کہ اسرارِ جہاں کھول رہی ہے
یہ دانت، یہ شیرازۂ شبنم کے تراشے
یاقوت کی وادی میں دمکتے ہوئے ہیرے
شرمندۂ تابِ لب و دندانِ پیمبرﷺ
حرف بہ ثنا خوانی و خامہ بہ صریرے
یہ موجِ تبسم ہے کہ رنگوں کی دھنک ہے
یہ عکسِ متانت ہے کہ ٹھہرا ہوا موسم
یہ شکر کے سجدے ہیں کہ آیات کی تنزیل
یہ آنکھ میں آنسو ہیں کہ الہام کی رم جھم
یہ ہاتھ یہ کونین کی تقدیر کے اوراق
یہ خط یہ خد و خالِ مصحف و انجیل
یہ پاؤں یہ مہتاب کی کرنوں کے معابد
یہ نقشِ قدم ، بوسہ گہِ رف رفِ جبریل(۸)

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk

محسن نقوی کی مذہبی شاعری کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کی شاعری میں رسول ﷺ اور آلِ رسول ﷺ کی زندگی سے درسِ ہدایت لینے کے ساتھ ساتھ حق پر ثبت قدم رہنے کی تلقین بھی نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کے کلام میں گہرا تاریخی اور تہذیبی شعور ملتا ہے اور یہ شعور کتابِ فطرت سے فیض کا نتیجہ ہے۔

پروفیسر اسلم انصاری، کلامِ محسن نقوی پر اپنی رائے زنی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ”محسن نقوی ایک باشعور فن کار تھے۔ ان کا تاریخی اور تہذیبی شعور گہرا اور پختہ تھا اور زندگی کے حقائق اور خارجی زندگی کے بدلتے ہوئے احوال سے پوری طرح آشنا تھے۔ انسانی زندگی کے رنج و الم نے ان کے دل و دماغ پر گہرے اثرات مرتب کیے تھے۔ انھوں نے کتابی علم سے زیادہ کتاب فطرت اور صحیفہ انسانیت سے اکتساب کیا تھا اور یہ ساری خصوصیات ان کی شاعری میں پوری طرح منعکس تھیں۔ ان کی شاعری ان کی تفکر اور مشاہدے کا بھرپور اظہار ہے۔“[۹]

محسن نقوی کی مذہبی شاعری کا پہلا مجموعہ ”موجِ ادراک“ ۱۹۸۰ میں شائع ہوا اس مجموعے میں حمد، نعت، قصائد، منقبت اور قطعات وغیرہ شامل ہیں موجِ ادراک کا دیباچہ محسن نقوی نے خود تحریر کیا جس کا عنوان ”سرِلوحِ چشمِ تر“ ہے اس دیباچے میں محسن نقوی ”موجِ ادراک“ کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں۔

> ”موجِ اِدراک میرے فکری نظریات و عقائد اور وجدانی جذبات و محسوسات پر مشتمل شاعری کا مجموعہ ہے“[۱۰]

موجِ اِدراک کے کلام میں بڑا تنوّع نظر آتا ہے اس میں شامل کلام نہ تو مکمل طور پر رثائیہ ہے اور نہ ہی عزائیہ اس میں کہیں پر انیس کے قصیدوں سا آہنگ ملتا ہے اور کہیں حزن والم کے بیان سے یک گونا الیہ کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ موجِ ادراک کے مضامین میں حمد، سلام، نگہبانِ رسالت (منقبت) موجِ ادراک، ملکۂ عصمت، کربلا، رئیسِ امامت، علی جمالِ دو عالم، گوہر گنجِ حرم، خطیبِ نوکِ سناں اور قطعات وغیرہ شامل ہیں۔ محسن اپنی شاعری کا مواد اور اس کی داخلی فضا کو رثائی عناصر سے متشکل کرتے ہیں ان کی غزل پر بھی یہ فضا غالب نظر آتی ہے شاید یہی وجہ ہے کہ بعد میں محسن نقوی ایک خطیب کے روپ میں سامنے آئے جہاں انہوں نے مجالسِ عزا اور ذکرِ اہل بیت میں واقعاتِ کربلا کو منظوم شکل میں پیش کیا وہیں انہوں نے اپنی غزل میں بھی اسی فضا کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ غزل سے مثال دیکھیے:

درد سینے میں ہوا نوحہ سَرا تیرے بعد
دل کی دھڑکن ہے کہ ماتم کی صدا تیرے بعد
اک قیامت کی خراشیں تیرے چہرے پہ سجیں
اک محشر مرے اندر سے اٹھا تیرے بعد

کون رنگوں کی بھنور کیسی حنا تیرے بعد
اپنا خوں اپنی ہتھیلی پہ سجا تیرے بعد(۱۱)

مرثیہ سے قطع نظر اگر محسن کے عمومی کلام پر نظرِ غائر کی جائے تو وہاں پر بھی ہمیں اُن کی شاعرانہ ہنرمندی اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے۔نہ صرف موضوعات میں بوقلمونی اور رنگارنگی نظر آتی ہے بلکہ مضمون آفرینی میں انوکھی تمثیلوں، علامتوں اور کربلا سے جڑے بلیغ استعاروں کا ایک مربوط نظام ملتا ہے مثلاً دشت، وحشتِ جاں، صحرا، پیاس، پتھر، شام، گریہ، انصاف، شہ رگ، ظلمتِ شب، خنجر اور آستین ایسی علامتیں ہیں جو مضامین کی معنویت کو بڑھا دیتی ہیں۔

بھڑکائیں میری پیاس کو اکثر تیری آنکھیں
صحرا میرا چہرہ ہے سمندر تیری آنکھیں
پھر کون بھلا دادِ تبسم انہیں دے گا
روئیں گی بہت مجھ سے بچھڑ کر تیری آنکھیں
خالی جو ہوئی شامِ غریباں کی ہتھیلی
کیا کیا نہ لٹاتی رہیں گوہر تیری آنکھیں(۱۲)

وحشتِ جاں کبھی فرصت ہو تو اس سمت بھی آ
شہر سے دور سہی ، دشت بھی گھر اپنا ہے
جی میں آیا تو کبھی پھوڑ ہی ڈالیں گے اسے
غیر کے ہاتھ کا پتھر نہیں سر اپنا ہے(۱۳)

آ تجھے نذر کروں اپنی ہی شہ رگ کا لہو
مرے دشمن مری توقیر بڑھانے والے
آستینوں میں چھپائے ہوئے خنجر آئے
مجھ سے یاروں کی طرح ہاتھ ملانے والے

ظلمتِ شب سے شکایت انہیں کیسی محسن
وہ تو سورج کو تھے آئینہ دکھانے والے(۱۴)

بکھر رہے ہیں خدوخال چار سُو میرے
مجھے تلاش نہ کرلیں کہیں عَدو میرے
لکھا جو مرثیہ میں نے مزاجِ آدم کا
تمام لفظ ہوئے ہیں لہو لہو میرے(۱۵)

محسن کی مذہبی شاعری کا دوسرا مجموعہ فراتِ فکر کے نام سے ۱۹۹۶ء میں محسن کی وفات کے بعد شائع ہوا اس لیے اس میں دیباچہ موجود نہیں کہ جس سے محسن کے فراتِ فکر کے بارے میں تاثرات کا اندازہ ہوسکتا تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ محسن نقوی کے نزدیک "فراتِ فکر" ایک بلیغ استعارہ ہے جو ان کی مذہبی افکار کے لیے علامت کا کام دیتا ہے فراتِ فکر کے مشمولات میں حمد، درود کا جھونکا، یہ سرزمینِ حرم، بعداز خدا، ہدیۂ نعت، دستِ کبریا ہے علیؓ، ایوانِ فاطمہؑ، شبستانِ رسالت، محیطِ حیاتِ حسن و حسین، آدمِ سادات، صادق آلِ محمد ﷺ، یوسف آلِ محمد ﷺ، ملکہ دشتِ وفا وغیرہ زیادہ اہم ہیں فراتِ فکر سے چند اشعار ذیل میں ملاحظہ ہوں:

نوکِ نیزہ پہ جو سر رکھتے ہیں
وہ زمانوں کی خبر رکھتے ہیں
ہم کو مت خانماں برباد سمجھ
ہم تو فردوس میں گھر رکھتے ہیں
ہو محبت جنہیں زندانوں سے
سانس لینے کا ہنر رکھتے ہیں
بخلِ دریا سے ہمیں کیا مطلب؟ [۱۶]
ہم تو کوثر پہ نظر رکھتے ہیں
زور پر شامِ غریباں ہے تو کیا
ہم ابھی دیدۂ تر رکھتے ہیں
خاک آلود قباؤں والے

آنکھ میں لعل و گہر رکھتے ہیں

حق ایلیا محسن نقوی کی مذہبی شاعری کا تیسرا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۱ء میں محسن کی وفات کے بعد شائع ہوا اس لیے اس میں بھی دیباچہ موجود نہیں ایلیا عبرانی زبان کا لفظ ہے، جس کا ذِکر انجیل مقدس میں متعدد بار آیا ہے۔ حضرت علیؑ کے لیے انجیل میں استعمال ہونے والے اسی نام کی نسبت سے اس مجموعہ کا نام حق ایلیا رکھا گیا ہے حق ایلیا میں محسن نقوی کا زیادہ تر وہ کلام شامل ہے جو ۲۰۰۳ء تک غیر مطبوعہ تھا جس میں مناقب اور قطعات زیادہ تعداد میں شامل ہیں حق ایلیا میں دیباچہ اور انتساب شامل نہیں ہیں سرورق کے بعد اور فہرست سے قبل ''غمِ حسین'' سے متعلق ایک قطعہ درج ہے:

محشر میں اس انمول عقیدے کے عوض ہم
بخشش نہ خریدیں تو گناہ گار نہ کہنا
جنت میں بھی شبیرؑ ترے غم کی قسم ہے
ماتم نہ کریں ہم تو عزا دار نہ کہنا(۱۷)

حق ایلیا کے اہم مضامین میں حجابِ عصمت، حجابِ نبوت، حجابِ امامت، حجابِ شہادت، ابو طالب، علیؑ کی شادی، سہرا، علی علی کیا کرو، درود بُوتراب، خیبر، تلوار، سرِمحشر، حق ایلیا، حسینؑ، مناظرہ زمین و آسمان، حسینؑ اور کربلا، مقامِ محشر اور حسینیت وغیرہ زیادہ اہم ہیں۔ محسؔن نے اپنی قوتِ متخیلہ اور اسلوبِ بیان کی بدولت بعض پُرانے مضامین کو نئے زاویے عطا کیے ہیں۔ ایسے مضامین جو دوسرے شعرا کے ہاں بالکل عام اور جذبات سے عاری محسوس ہوتے ہیں۔ محسن کے نوکِ قلم تلے جدت کا پیراہن اوڑھ لیتے ہیں۔ حق ایلیا سے کلام کا ایک ٹکڑا ملاحظہ ہو:

جو ناطقِ قرآن نے دیا نوکِ سناں سے
پیغام وہ دنیا سے مٹے گا نہ مٹا ہے
قانونِ حسینؑ ابنِ علی برسرِ صحرا
عباسؑ کے ہاتھوں کو قلم کرکے لکھا ہے(۱۸)

مندرجہ بالا قطعہ میں دیکھا جائے تو نوکِ سناں، قلم، صحرا جیسی علامات واقعۂ کربلا کے بعد منصۂ شہود پر آئیں جن کی وجہ سے دنیائے شعر و ادب میں ایک نیا استعاراتی و علامتی نظام وجود میں آیا اور بعد ازاں یہ علامتیں مرثیہ نگاری کے وسیع بحر کا جزوِ اعظم بن گئیں۔

ان کی شاعری کی تمام اصناف میں افکار و جذبات کی جولانیاں نمایاں ہیں، بالخصوص مذہبی شاعری میں انھوں نے کبھی اپنے عقیدت مندانہ جذبات کو لفظی جامہ پہنایا ہے تو کبھی برگزیدہ ہستیوں کے احساسات و جذبات کی قلمی تصاویر بنائی ہیں لیکن ان جذبات میں اگر جامعیت کو دیکھنا ہو تو محسن کا مرثیہ اس کی عمدہ مثال ہے۔ محسؔن کی فکر کو پرواز اس دولتِ غم نے دی تھی جس کی تحصیل و تکمیل کا

سرچشمہ کربلا ہے۔ واقعہ کربلا کو بیان کرتے ہوئے ان کے پیرایۂ اظہار میں دِلی کیفیات اُمڈ اُمڈ کر صفحۂ قرطاس کو بھگوتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔ محسن نے اس مرثیے میں روزِ عاشور تمام شہدا کی قربانیوں کے بعد امام حسینؑ کے قلبی جذبات کی کیفیت کچھ یوں رقم کی ہے:

جس نے شاداب چمن پل میں اجڑتے دیکھا

جس نے چپ رہ کے عزیزوں کو بچھڑتے دیکھا(۱۹)

محسن اپنے مرثیے میں سیدنا امام حسینؑ کے جذبات کے اظہار میں کئی جگہ ایسے عمدہ الفاظ اور نادر تشبیہات و استعارات برتتے ہیں کہ جس سے ان کے کلام میں مزید حسن و تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ڈاکٹر سلیم اختر اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

> "ہر شیعہ شاعر حضرت امام حسین کی المناک شہادت اور مصائب کربلا کے حوالے سے ضرور اشعار کہتا ہے ایسے اشعار جو عقیدت کے حامل تو ہوتے ہیں مگر ان میں شاعرانہ جذبات کا بالعموم فقدان پایا جاتا ہے اس لیے ہر شیعہ آلِ رضا یا جوش ملیح آبادی نہیں بن جاتا۔ مجلس میں اندوہ سے conditioned سامعین کو رلانا آسان مگر زندگی پانے والے اشعار کہہ لینا قطعی جداگانہ بات ہے اس تناظر میں محسن نقوی کی مذہبی شاعری کا مطالعہ کرنے پر احساس ہوتا ہے کہ محسن نقوی نے شاعری سے محض رلانے کا کام لینے کی کوشش نہ کی بلکہ اپنے اشعار میں شاعرانہ محاسن پیدا کرنے کی بھی کوشش کی ایسی شاعرانہ سعی جسے تنقیدی پذیرائی بھی ملی۔ اس ضمن میں ان اشعار کا بطور خاص حوالہ دیا جاسکتا ہے جن میں اس سے واقعہ کربلا سے مخصوص الفاظ جیسے حسین، حسینیت، شام غریباں، یزید، نیزہ، پیاس، تشنگی، گرمی، صحرا، فرات وغیرہ کو اپنے اسلوب میں استعمال کیا کہ وہ عہدِ حاضر کے ابتلا اور دور جبر و احتساب کے لیے بلیغ علامات میں تبدیل ہوگئے یوں محسن نقوی نے کربلا سے مخصوص واقعات و الفاظ کو جدید معنی پہنا دیئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس لحاظ سے محسن نقوی محدود فضا سے نکل کر جدید طرزِ احساس کے حامل شاعر کے روپ میں سامنے آتا ہے"[۲۰]

محسن نے دیگر مذہبی اصناف کی طرح مرثیے میں بھی اصل مقصد یعنی تعلیماتِ محمد ﷺ کو نمایاں کیا ہے اور اپنے قول و فعل میں یکسانیت و ہم آہنگی سے یہ ثابت کیا کہ وہ بھی ان تعلیمات سے بہرہ مند ہیں۔ محسن کے مرثیے میں تغزل کا رنگ نمایاں ہے کہیں زمینوں کے انتخاب میں تو کہیں الفاظ کے برتنے میں اور کہیں قوافی و ردیفوں کے چناؤ میں مجموعی طور پر ان کے رنگِ تغزل کو با آسانی دیکھا جاسکتا ہے مگر اس کی سب سے واضح مثالیں سلاموں میں ملتی ہیں کیوں کہ سلام کی ہیئت غزل ہی کی ہوتی ہے لہٰذا وہاں تغزل کے مظاہر با آسانی پیش کیے جاسکتے ہیں، تاہم محسن کے مرثیے میں بھی تغزل کی کارفرمائی دیکھی جاسکتی ہے محسن چونکہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر تھے لہٰذا انہوں نے تغزل کو مرثیے کے لیے بھی اہم سمجھا۔ بالکل اسی طرح ان کی غزل کی عمومی فضا بھی مرثیہ کے رنگ میں رنگی نظر آتی ہے۔ انھوں نے غزل کے لگے بندھے مزاج میں جاں نثاری، وفا، لذتِ درد اور قربانی کے جذبات داخل کر کے ایک نئی فضا پیدا کر دی۔ ان کی

غزل میں تشبیہات و اِستعارات، علامتوں اور رموز پر جابہ جا واقعۂ کربلا کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے واقعۂ کربلا کے تناظر میں غزل کو ایک وسیع کینوس بھی عطا کیا۔ چند مثالیں دیکھیے:

"قریۂ جاں میں ابھرنے لگا پھر گریۂ شب
پھر ملا اِذن تکلم پئے یک جنبشِ لب
پھر بڑھی تشنہ لبی حدتِ خواہش کے سبب
پھر دل و دیدہ کو ہے چشمۂ کوثر کی طلب
آگہی غازۂ رُخسارِ سحر مانگی ہے
زندگی وقت سے جبرئیل کا پَر مانگتی ہے(۲۱)

نہ دوش اہلِ حکم پر نہ زیرِ تاجِ شہی!
سناں کی نوک پر جچتا تھا سر وہ ایسا تھا
لہو لہو مری آنکھیں ہیں تار تار قبا
کہ حادثہ ہی مری جاں مگر وہ ایسا تھا
زمیں پہ اس کے کٹے بازوؤں کا سایہ ہے
عدو کے سامنے سینہ سپر وہ ایسا تھا(۲۲)

محسن نقوی کے کلام میں ایک کثیر تعداد قطعات کی ملتی ہے۔ قطعہ نگاری محسنؔ کی پسندیدہ صنفِ سخن تھی اور اُنھوں نے جس وقت قطعہ نگاری کا آغاز کیا اُس وقت سے لے کر تادمِ آخر کسی نہ کسی پیرائے میں قطعہ نگاری کرتے رہے۔ وہ ایک لمبے عرصے تک اخبار "مساوات" کے لیے بھی قطعات لکھتے رہے اُن کے ان قطعات کا موضوعاتی اور لسانی نظام مرثیے سے قریب تر ہے الفاظ وتراکیب ادائے مطالب اور بندشِ الفاظ میں رثائی عناصر کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا دکھائی دیتا ہے بندِ قبا سے چند قطعات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

مرے معصوم قاتل تجھے کیا کہیں
قتل گہ میں ترا نقشِ پا بھی نہیں
تو مرے خوں بہا کا تکلف نہ کر
ترے ہاتھوں میں رنگِ حنا بھی نہیں(۲۳)

---

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk

دل کو وقفِ غمِ حالات کیے بیٹھا ہوں
یہ حسیں زہر بھی مدت سے پیے بیٹھا ہوں
وہ عزادارِ محبت ہوں کہ باوصفِ جنوں
آنکھ بھی تر نہیں دامن بھی سیے بیٹھا ہوں(۲۴)

عصر کی تشنہ لبی یاد آئی
وقت کی بوالعجبی یاد آئی
ابر برسا جو کہیں پر محسنؔ
مجھ کو اولادِ نبی ﷺ یاد آئی(۲۵)

کلامِ محسن میں نئی لفظیات اور نئے موضوعات کا عمل ایک تدریجی سطح پر تخلیق پاتا محسوس ہوتا ہے۔ بالخصوص غزل کے مقابلے میں اس کا بہترین اظہار اُن کے نظمیہ میں ملتا ہے۔ لفظیات کے حوالے سے محسنؔ اپنی مثال آپ ہیں۔ انھوں نے ہر صنفِ سخن میں جذبات و محسوسات کی ترسیل و ترجمانی کے لیے غیر روایتی الفاظ اور اسلوب اختیار کیا۔ نظم کی ہیئت میں مرثیہ کو جس ندرت اور اجتہادِ علمی کے ساتھ محسنؔ نے پیش کیا ہے۔ وہ انھی کا خاصہ ہے۔ ان کا عمومی نظمیہ انداز بھی اپنی علامتی فضا میں مرثیہ سے متاثر نظر آتا ہے ان کی چند نظمیں تو باقاعدہ طور پر مرثیہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی نظموں میں مقتل، بنجر، رات کا سناٹا، آگ، شامِ غریباں، تشنگی، پُر ہول فضا، پابہ زنجیر اور صحرا جیسے الفاظ و تراکیب اسی قسم کی معنویت کو ابھارتے ہیں طلوعِ اشک سے مثال دیکھئے:

جز میرے کون تجھ کو چاہے گا؟
میں بھی تیری طرح اکیلا ہوں
آنکھ میں تشنگی کا صحرا ہے
دل میں پاتال کی سی گہرائی
اور کیا ہو رہِ شناسائی
اے مری بے سہاگ تنہائی(۲۶)

بال بکھرائے ہوئے شامِ شبِ افسردہ
تن پہ اوڑھے ہوئے بے ربط خیالوں کا دھواں
زرد آنکھوں میں سمیٹے ہوئے فریاد و فغاں
مثلِ مجروحِ لباں ، صورتِ آشفتہ سراں
مانگنے آئی ہے مدفون مہ و سال کی یاد
جن کی تقدیر نہ شہرت تھی نہ رسوائی
دشتِ امکاں میں بس اِک نقشِ فنا لہرائے
بجھتی جاتی ہے رگِ جاں میں لہو کی گردش
آنکھ میں پھیلتے جاتے ہیں قضا کے سائے
شامِ افسردہ سے کہہ دو کہ قریب آجائے(۲۷)

غرض کہ محسن نقوی کا تمام کلام مرثیہ کی تخلیقی فضا سے حد درجہ میل کھاتا ہے۔ بالخصوص اُن کی غزل میں واقعۂ کربلا کی نمود نظر آتی ہے اور واقعۂ کربلا سے جُڑی تشبیہات، اِستعارات اور تماثیل کی بدولت غزل میں ایک خون آشام فضا تخلیق ہوتی محسوس ہوتی ہے۔ نہ صرف غزل بلکہ دیگر اصناف میں بھی واقعۂ کربلا کا حزن و ملال اور درد والم جھلکتا محسوس ہوتا ہے اُنھوں نے کربلا کی معنویت اور ہمہ جہت خصوصیات کو بھی اپنی تخلیقی ہنر مندی کی بدولت دوچند کر دیا ہے۔ اُن کے کثیر کلام میں موجود علائم و رموز کا نظام اور اس کی معنیاتی تشکیلات میں رثائی عناصر کا شعور و اِدراک نمایاں نظر آتا ہے۔ تاہم وہ اپنی تخلیقی قوت کے بل بوتے پر فنی چابکدستی اور مستقل مشقِ سخن کے ذریعے اپنی اِنفرادیت کو تمام اصنافِ سخن میں برقرار رکھنے کی بھرپور سعی کرتے نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ سیّد عابد علی عابد، پروفیسر اصولِ انتقاد و ادبیات، مجلس ترقیِ ادب، لاہور، بار دوم، مئی ۱۹۶۶ء، ص ۵۵۱

۲۔ سیّد صفدر حسین، ڈاکٹر، مضمون: اُردو مرثیہ عہد بہ عہد، مشمولہ: نگار، اصنافِ شاعری نمبر، (سالنامہ)، ۱۹۶۷ء، ص ۲۰۳

۳۔ شبلی نعمانی، علامہ، موازنہ انیس و دبیر، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، دسمبر ۱۹۶۲ء، ص ۳۔۴

۴۔ کلیم الدین احمد، اُردو شاعری پر ایک نظر، اُردو مرکز، پٹنہ بار دوم، ۱۹۵۲ء، ص ۲۶۹

۵۔ محسن نقوی، برگِ صحرا، ماورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۷۹

۶۔ ایضاً، ص ۱۸۵

۷۔ ایضاً، ص ۶۱

۸۔ محسن نقوی، موجِ ادراک، ماورا پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۸۰۱

۹۔ اسلم انصاری، پروفیسر، مضمون: سید محسن نقوی کی یاد میں چند اشکِ غم، مشمولہ: کربِ ناتمام، مرتبہ: شاہد ملک، محسن نقوی اکادمی، ملتان، باراوّل، جنوری ۱۹۹۷ء، ص ۸۰

۱۰۔ محسن نقوی، دیباچہ "سرلوحِ چشمِ تر" موجِ ادراک، مشمولہ، میراثِ محسن، ص ۶

۱۱۔ محسن نقوی، طلوعِ اشک، ۱۹۹۲ء، ص ۲۷

۱۲۔ کلیات محسن، ماورا پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۰۳

۱۳۔ محسن نقوی، برگِ صحرا، ماورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۰۰

۱۴۔ محسن نقوی، برگِ صحرا، ماورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۰

۱۵۔ محسن نقوی، برگِ صحرا، ماورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۱۰

۱۶۔ محسن نقوی، فراتِ فکر، ماورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۴۰

۱۷۔ محسن نقوی، حقِ ایلیا، ماورا پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۵

۱۸۔ محسن نقوی، حقِ ایلیا، ماورا پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۹۷

۱۹۔ محسن نقوی، فراتِ فکر، مشمولہ میراث محسن، ص ۹۳

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk

۲۰۔ سلیم اختر، ڈاکٹر مکتوب بنام عنبر فاطمہ، ۱۷ جون ۲۰۰۸ء، لاہور

۲۱۔ محسن نقوی، فراتِ فکر، مشمولہ، میراثِ محسن، ص ۸۷

۲۲۔ محسن نقوی، خیمۂ جاں، ۱۹۹۶ء، ص ۱۵

۲۳۔ محسن نقوی، بندِ قبا، ماورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۴، ص ۱۳۱

۲۴۔ محسن نقوی، بندِ قبا، ماورا پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۴، ص ۱۳۴

۲۵۔ محسن نقوی، حق ایلیا، ماورا پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۴

۲۶۔ محسن نقوی، طلوعِ اشک، ص ۴۱

۲۷۔ محسن نقوی، طلوعِ اشک، ص ۴۲

https://tasdeeq.riphahfsd.edu.pk